مولانا محمد عیسیٰ منصوری☆

تین دن آرزوؤں اور حسرتوں کی سرزمین میں

بھارت کے ممتاز عالم دین، اسکالر اور مفکرِ اسلام مولانا ابوالحسن علی ندوی کے نواسے اور بہت سی صفات میں آپ کے جانشین مولانا سید سلمان الحسینی حسب معمول برمنگھم کی سالانہ سیرت کانفرنس میں شرکت کے لیے یکم جون ۲۰۰۶ء لندن پہنچے۔ اس بار آپ کا سفر دہلی سے براستہ استنبول تھا۔ استنبول میں معروف اسلامی رہنما نجم الدین اربکان نے جو موجودہ دینی ذہن رکھنے والی حکومت کے ایک لحاظ سے سرپرست و رہبر ہیں۔ دنیا بھر کی دینی تحریکات وشخصیات کو سلطان محمد الفاتح کی فتح قسطنطنیہ (استنبول) کی سالانہ تقریب وجشن کی مناسبت سے مدعو کیا تھا۔ ۲۹ مئی ۱۴۵۶ء کو سلطان محمد فاتح نے عیسائیت کے سب سے بڑے مستحکم قلعے پر اسلام کا پرچم لہرایا تھا۔ یاد رہے اتاترک کے آئین کی رو سے اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ ﷺ کے نام پر کوئی تقریب نہیں کی جا سکتی۔ اس لیے جب سے ترکی میں دینی ذہن رکھنے والی حکومت برسر اقتدار آئی ہے، اس کی کوشش ہے کہ سلطان فاتح کے ساتھ ترکی قوم کو وابستہ کیا جائے۔

نجم الدین اربکان نے اس تقریب کی پوری ایک نشست تقریباً (اڑھائی گھنٹہ) موجودہ حالات میں ملت اسلامیہ کے لیے لائحہ عمل پیش کیا کہ موجودہ حالات میں ملت اسلامیہ کو سیاسی، اقتصادی، عسکری، تہذیبی طور پر کیا لائحہ عمل اختیار کرنا چاہیے۔ مثلاً انہوں نے کہا ہمارے پاس اتنے مالی وسائل نہیں ہیں کہ امریکہ کی طرح بحری بیڑے بنا سکیں۔ مگر ہم ایسے میزائل ضرور بنا سکتے ہیں جو ان بحری بیڑوں کو تباہ کر سکتے ہوں وغیرہ وغیرہ۔ غرض فاتح استنبول کی یاد میں اس تقریب کو ترکی رہنما نجم الدین اربکان نے ترکی قوم کو اسلام کی درخشاں تاریخ وتہذیب سے وابستہ کرنے کا ذریعہ بنایا۔ مولانا سلمان الحسینی مجھے بار بار کہتے رہے کہ آپ کو ترکی کی اس تقریب میں ضرور ہونا چاہیے تھا۔ اب اس کی تلافی یہی ہے کہ واپسی میں میرے ساتھ استنبول چلیں تاکہ وہاں کے علما، مشائخ، اسکالر، دانشوروں اور مفکرین اور ملت کے احیاء کا جذبہ رکھنے والے حضرات سے مل کر معلوم کر لیں کہ وہ حضرات سخت پابندیوں کی فضا میں کس طرح خاموشی سے علمی، فکری، تصنیفی، دعوتی اور ہر نوع کا تعمیری کام کر رہے ہیں۔ اس طرح لندن کے ابراہیم کمیونٹی کالج میں دینی وعصری تعلیم کی یکجائی کا جو تجربہ ہو رہا ہے اس میں اُن کے تجربات سے فائدہ اٹھائیں۔ مولانا سلمان الحسینی صاحب کے حکم واصرار پر بندہ اور ابراہیم کالج کے لیکچرار اور نائب مدیر مولانا شمس الضحیٰ صاحب انٹرنیٹ پر ٹکٹ بک کر کے ۵ جون بروز بدھ سہ پہر ساڑھے چار بجے ٹرکش ایئرویز سے روانہ ہو کر استنبول کے وقت کے مطابق رات ساڑھے دس بجے استنبول ائیرپورٹ پر پہنچے۔ یہ ائیرپورٹ اپنی وسعت، شان وشوکت اور نظافت میں یورپ

☆ چیئرمین ورلڈ اسلامک فورم، لندن۔

وامریکہ کے کسی ائر پورٹ سے کم نظر نہیں آیا۔ مولانا شمس الضحیٰ کہنے لگے گویا ہم لندن ہیتھرو کے چینل فور (۴) پر ہیں۔ جہاں کوئی مسلمان نظر نہیں آتا۔ مولانا سلمان نے فرمایا یہ سبھی مسلمان ہیں۔ صرف اتاترک کے انقلاب کا اثر ہے۔ باہر نکلے تو مولانا سلمان الحسینی ایک ترکی نوجوان سے اردو میں گفتگو کرنے لگے۔ پتہ چلا اُن ترکی نوجوان کا نام اسماعیل ہے۔ چند سال پہلے ندوہ میں تعلیم حاصل کر چکے ہیں اور مولانا کے شاگرد ہیں۔ تھوڑی ہی دیر میں اُن کے دو رفقاء محمد الفاتح اور محمد صفر گاڑی لے کر آموجود ہوئے۔ الغرض ہم تین ترکی میزبانوں کی رفاقت میں ائر پورٹ سے تقریباً ڈیڑھ گھنٹے کی مسافت طے کر کے اسماعیل صاحب کے گھر پہنچے۔ رات کے بارہ بج چکے تھے۔ نماز پڑھی اور کھانا کھا کر سو گئے۔

استنبول کا کائی فاؤنڈیشن

دوسرے روز ۶ جون ۲۰۰۶ء کو نو بجے کے قریب اپنے میزبان اسماعیل ندوی صاحب کے ہمراہ ترکی کے معروف عالم دین مفکر اور نقشبندی شیخ، شیخ مصطفیٰ الجواد کے قائم کردہ ادارے کائی (Caye) فاؤنڈیشن پہنچے۔ شیخ مصطفیٰ جواد نے یہ ادارہ ترکی کے ذہین اور غریب طلباء کو استنبول یونیورسٹی شعبہ الٰہیات اور دیگر شعبوں میں ایم اے اور پی ایچ ڈی کروانے کے لیے بطور دارالاقامہ (ہاسٹل) وقف کیا ہے۔ یہاں کوشش کی جاتی ہے کہ طلباء کو عربی زبان اور بنیادی دینی علوم میں مہارت پیدا ہو جائے۔ ان کا اصل کام طلباء کو دینی ذہن وفکر اور اسلامی تمدن وطرز حیات سے وابستہ کرنا ہے۔ کیونکہ اتاترک کے انقلاب کے وقت سے حکومت کی بنیادی پالیسی حکومتی مناصب وعہدوں پر لبرل واسلام بیزار ذہن رکھنے والوں کی ترجیح رہی ہے۔ شیخ مصطفیٰ الجواد کی کوشش ہے کہ دینی ذہن رکھنے والے طلباء میں علمی وتحقیقی طور پر اتنی زبردست قابلیت وصلاحیت پیدا کریں کہ طلباء محض اپنی اہلیت (میرٹ) کی بنیاد پر حکومت کے اعلیٰ مناصب وعہدوں میں جگہ پاسکیں۔ کائی فاؤنڈیشن کی سات منزلہ عمارت نہایت مستحکم کشادہ اور جدید سہولتوں سے آراستہ ہے۔ شیخ کے صاحبزادے شیخ محمود نے جو انجینئرنگ پروفیسر ہیں، بتایا کہ یہ عمارت علاقے کی تمام عمارتوں سے زیادہ مستحکم اور جدید تر سہولتوں سے آراستہ اور زلزلہ پروف ہے۔ ہم نے اس کی تعمیر میں نہایت باریک بینی سے جدید تعمیری قواعد کا لحاظ رکھا ہے۔ تاکہ حکومت کسی تعمیری نقص کا بہانہ بنا کر ادارے کو بند نہ کر سکے۔ عمارت کی بالائی منزل شیخ اور اُن کے دونوں صاحبزادوں کی رہائش اور بقیہ چھ منزلیں غریب ذی استعداد طلباء کے لیے وقف ہیں۔ چند سال پہلے ترکی حکومت نے فیصلہ کیا کہ حکومت کے تمام شعبوں حتیٰ کہ افتاء شعبے میں بھی خواتین کو ترجیحی مناصب پر فائز کیا جائے گا تو شیخ مصطفیٰ نے کائی فاؤنڈیشن کا ایک حصہ طالبات کے لیے مخصوص کر دیا۔

دارالحکمت، استنبول کا ایک علمی، تحقیقی وتصنیفی ادارہ

کائی فاؤنڈیشن میں شیخ مصطفیٰ الجواد کے مہمان خانے میں سامان رکھ کر جناب اسماعیل ندوی کے ہمراہ استنبول کے تاریخی مقامات دیکھنے کے لیے روانہ ہوئے۔ راستے میں مولانا سلمان کے ایک دوست واسکالر جناب عمر فاروق کو بطور گائیڈ ورہبر ساتھ لیا۔ جناب عمر فاروق ایک علمی ادارے دارالحکمت کے ڈائریکٹر ہیں۔ یہ ایک تصنیفی، تحقیقی وتربیتی ادارہ ہے جہاں مختلف دینی موضوعات پر ریسرچ اور تصنیفی کام ہوتا ہے۔ اکیڈمک جنرل ریسرچ کے تحت بلند پایہ معیاری کتب کی طباعت کی جاتی ہے۔ ان کاموں میں علماء اور اسکالر کی ایک ٹیم مصروف رہتی ہے۔ اس ادارے نے مولانا سلمان الحسینی کی مرتب کردہ شیخ

عبدالحق محدث دہلویؒ کے مقدمہ علوم حدیث پر تدوین وتحقیق اور شاہ ولی اللہ دہلویؒ کے فارسی رسالے ''الفوز الکبیر'' کے عربی ترجمہ اور تدوین وتحقیق کردہ رسالے بھی شائع کیے ہیں نیز ''دار الحکمت'' کالج یونیورسٹی کے طلباء کے لیے وقتاً فوقتاً مختصر دینی کورس اور سیمینارز منعقد کر کے انہیں اسلام سے وابستہ رکھنے کے لیے کوشاں ہے۔ عمر فاروق صاحب اور اُن کی اہلیہ چند سال اسلام آباد میں بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی میں گزار چکے ہیں۔ اس لیے اردو بھی سمجھ لیتے ہیں اور برصغیر کے حالات سے بخوبی واقف ہونے کی وجہ سے ہم لوگوں سے خوب مانوس رہے۔

آیا صوفیہ دنیائے عیسائیت کا عظیم روحانی و مذہبی مرکز

ترکی کے تاریخی آثار کو دیکھنے کی ابتدا سب سے مشہور جامعہ آیا صوفیہ سے کی۔ آیا صوفیہ قسطنطنیہ (استنبول) کے سلطان محمد فاتح کے ہاتھوں فتح ہونے تک عیسائیوں کا دوسرا بڑا مذہبی مرکز رہا ہے۔ پانچویں صدی عیسوی میں عیسائی دنیا دو بڑی سلطنتوں مشرقی اور مغربی میں تقسیم ہوگئی تھی۔ آیا صوفیہ مشرقی عیسائیت یعنی ہولی آرتھوڈکس چرچ کا سب سے بڑا مذہبی مرکز تھا، جبکہ مغربی عیسائیت یعنی کیتھولک چرچ کا مرکز روم (اٹلی) رہا۔ درحقیقت حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے آسمان پر اٹھائے جانے کے بعد صدیوں تک عیسائیت، عابدوں، زاہدوں اور تارک دنیا درویشوں کا مذہب تھا۔ جو ترکِ دنیا کر کے صومعون عبادت گاہوں اور غاروں میں عبادت وریاضت کرتے تھے تا آنکہ تیسری صدی عیسوی میں رومن بت پرست شہنشاہ قسطنطین نے عیسائیت قبول کر کے اپنی عسکری طاقت کے بل بوتے پر آناً فاناً پورے یورپ کا بلکہ دنیا کا سب سے بڑا مذہب بنا دیا۔ تاریخی حقیقت یہی ہے کہ تلوار یا طاقت سے پھیلنے والا کوئی مذہب ہے تو وہ عیسائیت ہے نہ کہ اسلام اسی نے استنبول فتح کیا تھا جو اس وقت بزنطیہ (Bazantia) کہلاتا تھا اور اسے اپنا پایۂ تخت بنایا اور اس کا نام اپنے نام پر قسطنطنیہ رکھا۔ اُسی نے روم (اٹلی) کے چرچ کی بنیاد رکھی جو بعد میں مغربی کیتھولک عیسائیت کا عالمی مرکز بنا اور اس کا مذہبی پیشوا پوپ آج بھی کیتھولک عیسائیت کا سب سے بڑا مذہبی پیشوا ہے مگر آیا صوفیہ کو اس لحاظ سے روم (اٹلی) کے کلیسا سینٹ پیٹر پر فوقیت حاصل ہے کہ اس کی بنیاد روم کے کلیسا سے پہلے یعنی ۳۱۰ عیسوی میں پڑی۔ اس کی تعمیر لکڑی سے ہوئی تھی جو آگ لگنے سے جل گیا تو اس جگہ قیصر جسٹینین نے ۳۲۲ عیسوی میں عظیم الشان پختہ تعمیر کی۔ جس وقت یہ چرچ (آیا صوفیہ) تعمیر ہوا۔ دنیا کی سب سے عظیم الشان عمارت تھی حتیٰ کہ جب جسٹینین پہلی بار اس میں داخل ہوا تو اس کی زبان پر یہ مغرورانہ الفاظ آ گئے کہ سلیمان میں تم پر سبقت لے گیا (تعمیر وتقدس میں بیت المقدس) پر ایک ہزار سال تک آیا صوفیہ کلیسا کے طور پر ہی نہیں بلکہ پوری عیسائی دنیا کے مذہبی وروحانی مرکز کے طور پر مشہور رہی۔ حتیٰ کہ سلطان محمد فاتح نے فتح قسطنطنیہ کے موقع پر اس میں ظہر کی نماز پڑھی۔ اس وقت سے یہ جامعہ آیا صوفیہ کہلائی پھر صدیوں تک کی صیہونی صلیبی سازشوں کے نتیجے میں اتاترک نے ۱۹۳۴ء اسے بطور مسجد بند کر کے ایک میوزیم بنا دیا اور جہاں نماز پڑھنا قانوناً ممنوع قرار دیا۔ اب یہاں غیر ملکی سیاح نیم برہنہ خواتین گھومتی رہتی ہیں، حتیٰ کہ محراب ومنبر میں اپنے اپنے کیمروں سے تصاویر کھینچتی پھرتی ہیں۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

آیا صوفیہ ایک گہری صلیبی سازش کی زد میں

اتاترک کے انقلاب کے بعد سے اُن کے جانشین یورپ کی خوشامد ودریوزہ گری میں لگے ہیں اور اُس کی چوکھٹ پر

ناک رگڑ رہے ہیں کہ مہربانی فرما کر ہمیں اپنی برادری یورپین یونین میں شامل کرلو اور اس کے لیے کچھ بھی کرنے کو تیار ہیں اور یورپ شرطوں پر شرطیں عائد کر کے ترک قوم کی تذلیل کا حظ و مزہ اٹھا رہا ہے۔ اس سفر میں معلوم ہوا کہ اب یورپ کی ایک اور تازہ شرط یہ ہے کہ آیا صوفیہ اسے واپس کیا جائے تاکہ اس میں دوبارہ عیسائیت کی دعوت و اشاعت کا عالمی مرکز بنا سکیں۔ اب یہ دعویٰ دنیا کے مختلف پلیٹ فارموں پر گونج رہا ہے اور انٹرنیٹ پر بھی تفصیلات موجود ہیں اور اس کے لیے دنیا بھر میں دستخطی مہم چل رہی ہے۔ اس تحریک کو پس پردہ امریکہ و یورپ کے حکمرانوں کی پشت پناہی حاصل ہے۔ یہی نہیں کہ یورپ کے مطالبات تو آگے تک ہیں۔ مثلاً مغربی دنیا کا مطالبہ ہے کہ اگر یورپین یونین میں شامل ہونا ہے تو ہمیں مساجد کے میناروں والا استنبول قبول نہیں ہوسکتا ہے کہ ان میناروں کو منہدم کرنے کے لیے یورپ کا ذخیرہ ذہن جو مکمل طور پر صیہونی کنٹرول میں ہے۔ ان میناروں کو ڈھانے کی کوئی تخریبی کارروائی کا آغاز کر کے ورلڈ ٹریڈ سنٹر کی طرح اس کا الزام کسی اسامہ کے سر منڈھ دے کیونکہ استنبول پہاڑوں پر آباد ہے۔ ہر بلندی پر مساجد کے اونچے اونچے مینار نظر آتے ہیں۔ ترکی مساجد میں ایک دو نہیں پورے چار مینار ہوتے ہیں جو کفر کے کلیجے کو چھید کر رکھ دیتے ہوں گے۔ مغرب کے اس مطالبے سے وہاں کے دینی ذہن رکھنے والے دوست کافی فکر مند و پریشان تھے۔ ہم نے کہا آپ حضرات بھی اسپین، مسجد قرطبہ، الحمراء اور دیگر بے شمار مسلم دور کی عمارات کو مسلمانوں کے حوالے کرنے کا مطالبہ عالمی طور پر بلند کریں۔ بقول اقبال:

ہے خاکِ فلسطیں پہ یہودی کا اگر حق
ہسپانیہ پر حق نہیں کیوں اہل عرب کا

جامعہ سلطان احمد

جامعہ آیا صوفیہ دیکھنے کے بعد مولانا سلمان نے کہا ظہر کا وقت قریب ہے۔ توپ کاپی سرائے جانے سے قبل نماز ظہر پڑھ لیتے ہیں۔ آیا صوفیہ سے نکلتے ہی سامنے مسجد سلطان احمد ہے۔ یہ مسجد سلطان احمد نے سترہویں صدی عیسوی ۱۶۱۶ء میں عین آیا صوفیہ کے سامنے تعمیر کروائی تھی۔ چونکہ ترکی کی سب سے نمایاں عمارت عیسائیوں کے کلیسا کے طور پر تعمیر ہوتی تھی۔ سلطان محمد نے حکم دیا کہ ایک ایسی مسجد تعمیر کی جائے جو آیا صوفیہ سے زیادہ بلند اور پرشکوہ ہو۔ چنانچہ اس مسجد کی تعمیر نے واقعی آیا صوفیہ کو گرد کر دیا۔ یہ مسجد کیا ہے۔ ترکی فن تعمیر کا ایک عجوبہ ہے۔ اس میں داخل ہوتے ہی انسان اس کے شکوہ جاہ و جلال اور حسن و جمال میں کھو جاتا ہے اس طرح قدرت نے سلطان احمد کے ذریعے آج کی اہم ترین ضرورت کا انتظام کر دیا ہے۔ کیونکہ یہ جگہ ترکی کی اہم ترین تاریخی آثار اور تفریح کی جگہ ہے یہیں آیا صوفیہ توپ کاپی سرائے اور بحر فاسفورس وغیرہ وغیرہ ہیں یہاں پر ہر وقت ہزارہا سیاح ہوتے ہیں آیا صوفیہ کے میوزم بن جانے کے بعد مسلمان سیاحوں کے لیے سب سے بڑا مسئلہ یہ درپیش ہوتا ہے کہ نماز کہاں پڑھیں؟ مسجد سلطان احمد میں ظہر کی نماز ادا کر کے مسجد کے امام سے ملاقات کی جو حضرت مولانا ابوالحسن علی ندوی اور تبلیغی جماعت سے نسبت کی بنا پر اسلام کے داعی ہیں۔ آیا صوفیہ اور مسجد سلطان احمد کے درمیان وسیع پُرفضا میدان کے ایک قہوہ خانے میں کافی پی کر تازہ دم ہوئے۔ اور ساتھ میں واقع ترکی کے مشہور میوزیم توپ کاپی دیکھنے روانہ ہوئے۔

ترکی زبان میں سرائے محل کو اور کاپی دروازے کو کہتے ہیں۔ یعنی توپ دروازہ محل بازنطینی دور میں سینٹ رومانوس دروازہ تھا اور فتح کے بعد سلطان احمد فاتح اسی دروازے سے داخل ہوئے تھے بعد میں محل تعمیر ہوا تو سلطان فاتح کے دور سے آخری

خلیفہ سلطان عبدالحمید تک عثمانی سلاطین کی رہائش گاہ رہا اور آج کل ترکی کا سب سے بڑا موزیم ہے یہ میوزیم اسلامی دنیا کا سب سے اہم موزیم ہے اس میں داخل ہوتے ہی قصر محمد فاتح کی عمارت نظر آتی ہے اس کے صحن کے بیچوں وبیچ فرش پر بڑا سا سوراخ ہے جو عرصے سے خالی پڑا ہے اس میں کبھی خلافت عثمانیہ کا سرخ ہلالی پرچم لہراتا تھا جو دنیا میں مسلمانوں کے غلبے اور عظمت وشوکت کی علامت تھا اس سے یورپ لرزہ براندام رہتا تھا۔ اس کے اترنے کے بعد ۱۹۲۴ء سے ملت اسلامیہ کی حیثیت ایک ایسے ریوڑ کی ہوگئی ہے جس کا کوئی رکھوالا نہ ہو اب شاید حضرت مہدی ہی اس خلاء کو پُر کرسکیں۔ اس کے بعد سلطان عبدالحمید کے افسر مہمانداری کا دفتر ہے پھر نسبتاً کچھ بڑا۔ سلطان کی ملاقات کا کمرہ اور اس سے متصل سلطان کی خواب گاہ جہاں پرانے طرز کی مسہری بچھی ہے' بڑی حیرت ہوئی۔ دنیا کے سب سے بڑے حکمران کی خواب گاہ اس قدر چھوٹی اور سادہ اس کے اندازِ تعمیر میں ٹھاٹھ باٹھ کا شائبہ تک نہیں اس کے مقابلے میں دنیا کے چھوٹے چھوٹے بادشاہوں مغرب کے لارڈوں (جاگیرداروں) کے محل اس سے کہیں زیادہ شان وشوکت والے ہیں۔ یہی نہیں آج کے سعودی، کویتی حکمرانوں کے پاس اس سے کہیں زیادہ عالیشان پُرشکوہ محل یورپی ملکوں کے ہر بڑے شہر میں موجود ہیں۔ مگر کیا کریں انگریز نے ہم لوگوں کو اپنے سلاطین کو گالی دینا سکھا دیا ہے۔ توپ کاپی دنیا کا عظیم ترین نوادرات کا میوزیم ہے یہاں سینکڑوں سال کے نوادرات محفوظ ہیں۔ دنیا بھر کے خصوصاً یورپ کے حکمران عثمان خلفاء کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے نہایت بیش قیمت تحفے بھیجا کرتے تھے جس طرح آج کے سعودی وکویتی حکمران ملکہ برطانیہ کی خدمت میں پیش کرتے رہتے ہیں۔ ہم لوگ جلدی جلدی میوزیم کے کمروں سے گزرے جہاں سلاطین عثمانیہ کے لباس، اسلحہ، زرہیں، برتن، بیش قیمت ہیرے جواہرات، ایران کے شیعی بادشاہ اسمٰعیل صفوی کا ہیرے جواہرات سے مرصع تخت وغیرہ وغیرہ دیکھتے ہوئے تبرکات کے کمرے میں پہنچے جہاں سرورِ دوعالم ﷺ کا جُبہ مبارکہ آپ کی دو تلواریں، آپ کا علم (جھنڈا) جو بدر میں استعمال ہوا تھا۔ موئے مبارک، دندان مبارک، مقوقس شاہِ مصر کے نام آپ کا مکتوب گرامی، مہر مبارک، خلفاء راشدین، حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ، حضرت جعفر طیار رضی اللہ عنہ حضرت عمار بن یاسر کی تلواریں، بیت اللہ کا لکڑی کا دروازہ حجرِ اسود کا سونے کا خول، کعبہ شریف کا قفل اور چابیاں، میزابِ رحمت کے ٹکڑے وغیرہ وغیرہ ہیں۔ زیارات سے اپنی آنکھیں ٹھنڈی و دل شاد کیا۔ یہاں ہمہ وقت ایک قاری نہایت خوش الحانی سے تلاوت قرآن میں مصروف رہتا ہے۔

عثمانی سلطنت کی سادگی و جفاکشی

توپ کاپی سرائے دیکھ کر دو باتیں خاص طور پر محسوس کیں پہلی یہ کہ خلافتِ عثمانیہ کی واحد سلطنت تھی جن کی مساجد شاہی محلات سے بیسیوں گُنا زیادہ پُرشکوہ، عالشان اور مستحکم ہیں۔ عثمانی سلاطین کا یہ محل (قصر) اپنی شان وشوکت، بلندی اور تعمیر کے اعتبار سے مساجد سے بدرجہا کم بلکہ مساجد کے مقابلے میں بے حیثیت محسوس ہوتا ہے۔ توپ کاپی سرائے کا ایک حصہ سلاطین کے اہل خانہ کی رہائش گاہ رہا ہے۔ جو حرم کہلاتا ہے۔ حسب عادت حرم کے نام پر یورپین اقوام اسلام کو بدنام کرنے کے لیے کوشاں رہتی ہیں جبکہ یورپ کے معمولی سے بادشاہ ہی نہیں جاگیرداروں (لارڈز) کے محلوں کے سامنے یہ دنیا کی سب سے بڑی امپائر کے محلات بے حیثیت نظر آتے ہیں۔ توپ کاپی سرائے کی دوسری بات یہ محسوس ہوئی کہ عثمانی سلاطین کی زندگیاں عام طور پر پروقار مگر سادگی کی حامل تھیں۔ اُن میں زیادہ نمود ونمائش طمطراق اور کروفر نہیں تھا۔ توپ کا سرائے کی

حیثیت پرانے زمانے کے وسیع مکان یا حویلی کی ہے۔اس کی تعمیر میں کہیں محلاتی بلندی یا شان وشوکت نظر نہیں آتی۔توپ کاپی کے آخری حصے میں چھوٹا صحن بحیرۂ فاسفورس کے کنارے کھلی جگہ پر ہے۔یہاں سے عمر فاروق صاحب نے گولڈن ہارن (شاخ زریں) کا وہ کنارہ دکھایا جن پر سلطان محمد فاتح نے اپنے جنگی جہاز چلا کر دوسری جانب سمندر میں اتارے تھے۔ یہ واقعہ کتابوں میں بار ہا پڑھا تھا مگر اب آنکھوں سے دیکھا کہ بحیرۂ فاسفورس اور شاخِ زریں کے درمیان تقریباً دس میل طویل بلند وبالا پہاڑوں کا سلسلہ ہے۔ان پہاڑوں پر سے راتوں رات جہازوں کو چڑھا کر دوسری جانب سمندر میں پہنچا دینا‘اس قدر محیر العقول ہے جس کے تصور سے پسینہ آجاتا ہے۔توپ کاپی دیکھنے کے بعد آیا صوفیہ مسجد سلطان احمد اور بحر فاسفورس کے درمیان پرانی شہر پناہ (فصیل) پر سیاحوں سے ایک خوبصورت ریسٹورنٹ ہے۔وہاں خالص ترکی کھانے کھائے اور ترکی چائے پی کر عمر فاروق کے ساتھ اُن کے دارالحکمت میں تھوڑی دیر قیلولہ کر کے عصر کی نماز پڑھ کر حضرت ابوایوب انصاریؓ کے مزار کی زیارت کے لیے روانہ ہوئے۔جو ترکی میں ایک مسلمان کے لیے اہم جگہ ہے۔

میز بانِ رسول حضرت ابوایوب انصاریؓ کے مزار پر

عصر کی نماز پڑھ کر حضرت ابوایوب انصاریؓ کی زیارت کے لیے پہنچے۔یہ استنبول کی واحد جامع ہے جس میں وسیع صحن ہے۔مزارِ مبارک پر ہر وقت ترکوں کا تانتا بندھا رہتا ہے۔مرد،عورتیں،بچے،بوڑھے سب باچشم تر فاتحہ پڑھنے چلے آرہے ہیں۔یہاں آکر محسوس ہوا کہ ترکی کے حقیقی حکمران حضرت ابوایوب انصاریؓ ہیں‘جن کی دلوں پر حکومت ہے۔حضرت معاویہؓ کے دور میں جب قسطنطنیہ پر پہلا حملہ یزید بن معاویہؓ کی سرکردگی میں ہوا۔اس لشکر میں آپ شریک تھے۔نوے سال سے زیادہ عمر تھی‘شدید بیمار ہوگئے۔وصیت فرمائی میری نعش کو دشمن کی سرزمین میں جتنی دور لے جانا ممکن ہو لے جا کر دفن کرنا۔یہاں سب کے دلوں پر عجیب رقت طاری تھی۔مولانا سلمان صاحب کہنے لگے:سوچئے نوے سال عمر ہے۔اولاد پوتے پڑپوتے سب راہ دیکھ رہے ہیں۔دیارِ رسول (ﷺ) اور قبر رسول (ﷺ) کی کشش اپنی جگہ پر مگر حضرت ابوایوب انصاریؓ وصیت فرما رہے ہیں کہ دشمن کی سرزمین میں دور سے دور دفن کیا جائے۔پتا نہیں قبر کا نشان رہے گا نہیں رہے گا؟ کوئی پیے فاتحہ آئے گا؟ یہ قبر ہر مسلمان کو ایک پیغام دے رہی ہے۔یہاں آکر محسوس ہوا کہ اللہ کے نبی (ﷺ) کے اس صحابی نے کمالی ظلم وجبر کے سخت ترین حالات میں بھی ترکوں کا رشتہ اسلام میں محمد رسول اللہ ﷺ سے ٹوٹنے نہیں دیا۔عثمانی سلطنت کی رسم تاج پوشی اسی جامعہ میں ہوتی تھی‘وہ اس طرح کہ بانی سلطنت عثمان خان کی تلوار نئے سلطان کی کمر میں باندھ دی جاتی۔اب یہ پورا علاقہ ہی ایوبی کہلاتا ہے۔باہر نکلے تو پولیس کی کار پر ایوبی پولیس لکھا نظر آیا۔سامنے چوراہے پر اتاترک کا مجسمہ تھا جو ایک ہاتھ میں یورپین ہیٹ اٹھائے گویا ہیٹ پہننے کی دعوت دے رہا تھا۔

جامع سلطان بن محمد فاتح میں

حسبِ پروگرام عشاء کی نماز کے لیے جامع فاتح پہنچ کر پہلے سلطان محمد فاتح کی قبر پر فاتحہ پڑھی۔قبر کی لوح پر نہایت سفید چمکدار سلطان فاتح کا عمامہ رکھا ہوا ہے۔معلوم ہوا کہ ترکی سلاطین کا دستور تھا کہ اُن کی قبر کی لوح پر اُن کا عمامہ رکھ دیا جاتا۔عمامہ اس قدر جاذب نظر تھا کہ چشمِ تصور میں سلطان کی عظمت وشوکت گھوم گئی۔اس کے بعد ہم لوگ جامع میں داخل

ہوئے جہاں سب سے پہلے جامع فاتح کے امام شیخ عثمان نے جو مولانا سلمان صاحب کے واقف تھے، نہایت پرتپاک استقبال کیا۔ ان کی اقتداء میں عشاء کی نماز پڑھی۔ نماز کے بعد ان کی تلاوت سے محظوظ ہوئے۔ اُن کے استاد اور ترکی کی معروف علمی و دینی شخصیت شیخ امین سراج سے ملاقات ہوئی۔ شیخ امین سراج ترکی کے ممتاز عالم دین اور سکالر ہیں۔ وہ اسی جامع سلطان فاتح میں بخاری شریف کا درس دیتے ہیں۔ جامع کے موجودہ امام صاحب سمیت ان کے بے شمار شاگرد ترکی میں دینی وملی خدمات انجام دے رہے ہیں۔ آپ مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ کے عقیدت مندوں میں ہیں۔ فرمایا کمالی دور کے جبر والحاد کے بعد ترکی طلباء کی پہلی کھیپ جامعہ ازہر میں پڑھنے کے لیے گئی۔ اُس میں، میں بھی تھا۔ وہاں مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ ۱۹۵۱ء میں تشریف لائے۔ اُس وقت آپ کی عمر ۳۸ سال تھی۔ آپ نے ترکی طلباء سے ملاقات کرنے اور ترکی احوال جاننے کی خواہش ظاہر کی تو ہم لوگ خدمت میں حاضر ہوئے۔ اُس وقت سے اب تک حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ سے محبت ویقین اور عقیدت کا رشتہ قائم ہے۔ حضرت مولاناؒ کی بہت سی باتیں سناتے رہے۔ شیخ سراج نے نہایت تفصیل سے جامع فاتح کا معائنہ کروایا۔ تاریخی معلومات بہم پہنچاتے رہے۔ فرمایا اس جامع کے فرش کا قالین سلطان عبدالحمید کے دور کا بنا ہوا ہے۔ تقریباً سو سال ہوگئے مگر نہایت شفاف اور عمدہ حالت میں ہے۔ فرش کے اس قالین پر بعینہٖ گنبد کی ڈیزائن بنائی گئی ہے۔ جامع میں آیاتِ قرآنی کا ایک کتبہ سلطان عبدالحمید کے ہاتھوں کا لکھا ہوا ہے، دوسرا سلطان مراد کے ہاتھوں کا لکھا ہوا۔ اس کے بعد تالا کھول کر مسجد کی بالکنی میں اُس جگہ لے گئے، جہاں سلطان فاتح اپنے مخصوص لوگوں کے ساتھ نماز ادا کرتے تھے۔ پھر سلطان کی مخصوص ضیافت گاہ میں جہاں سلطان فاتح باہر سے آئے ہوئے وفود اور مہمانوں کو شرفِ باریابی بخشتے تھے۔ اسی جگہ شیخ امین سراج نے ہم لوگوں کے لیے ترکی مٹھائیوں، فروٹ اور مشروبات سے ضیافت کا اہتمام کیا تھا۔ فرمایا: اسی جگہ میرے والد محترم نے مجھے کمالی جبر واستبداد کے دور میں عربی کی ابتدائی صرف ونحو کی کتابیں پڑھائیں اور قرآن پاک حفظ کروایا۔ اُس وقت یہ کام ہم اس طرح چھپ چھپ کر کرتے تھے گویا سنگین جرم کر رہے ہوں۔

ترکی کے علما، اسکالرز اور دانشوروں سے ایک اہم نشست

اسی نشست میں ترکی کے مشہور عالم شیخ حمدی ارسلان سے ملاقات ہوئی۔ آپ بھی جامعہ ازہر سے فارغ ہیں اور جامعہ سلطان فاتح میں درس دیتے ہیں۔ ترکی کے صدر وزیراعظم اور حکومتی عہدیداروں سے ذاتی تعلقات رکھتے ہیں۔ وسیع النظر عالم ہیں اور دنیا کے سیاسی تمدنی احوال پر گہری نظر رکھتے ہیں۔ ترکی کے متعلق بڑی اہم معلومات اُن سے حاصل ہوئیں۔ آپ قدم قدم پر اپنے کیمرے سے تصاویر بھی لیتے رہے۔ فرمایا میری خواہش تھی کہ کل آپ حضرات کو ترکی کے قدیم کیپٹل کے آثار دکھانے لے جاتا۔ جو قدیم دارالسلطنت رہا ہے اور بہت سی تاریخی عمارت کے علاوہ بہت سے عثمانی سلاطین وہاں مدفون ہیں۔ اور ترکی کی سب سے بڑے گنبد والی مسجد وہاں ہے اور میں نے ائر کنڈیشنڈ بس کا انتظام بھی کر لیا ہے۔ مگر افسوس ہمارے پاس وقت نہیں تھا۔ اسی محفل میں ترکی کے معروف اسکالر و مصنف جناب ڈاکٹر خلیل ابراہیم سے ملاقات ہوئی۔ آپ جامعہ ازہر کے فاضل بڑے محقق اور بہت سی کتابوں کے مصنف ہیں۔ اب استنبول یونیورسٹی کے شعبۂ الٰہیات کے پروفیسر ہیں۔ شیخ حمدی ارسلان کہنے لگے: مجھے رشک آتا ہے کہ آپ حضرات برصغیر میں آزادی سے دینی جامعات ومدارس قائم کر سکتے ہیں۔ بندہ نے عرض کیا مجھے تو آپ حضرات پہ رشک آ رہا ہے کہ اتنی جکڑ بندیوں، سخت گیری اور پابندیوں کے باوجود

آپ حضرات جو علمی تصنیفی وتحقیقی کام کر رہے ہیں اور عوام کے ذہنوں تک رسائی کے لیے جدید ذرائع ابلاغ اخبارات، رسائل، سی ڈی وغیرہ کو جس مہارت وقابلیت سے دین کی نشر واشاعت کے لیے استعمال کر رہے ہیں، ہم تو برصغیر میں اس کا عشر عشیر بھی نہیں کر پا رہے۔ غرض یہ مبارک نشست عشاء کی نماز کے بعد سے رات ساڑھے گیارہ بجے تک چلتی رہی۔ یہ محفل ترکی کی عظیم علمی ودینی شخصیات سے ملاقات اور ترکی کے جدید احوال ومعلومات کے لحاظ سے ہمارے سفر کا حاصل تھی۔ یہاں سے روانہ ہو کر رات بارہ بجے کے قریب شیخ مصطفی الجواد کے گھر یعنی کائی فاؤنڈیشن پہنچے۔ جہاں شیخ کے صاحبزادے شیخ محمود نے استقبال کیا اور نہایت پر تکلف دعوت کی۔ رات اُن کے مہمان خانے میں آرام کیا۔ صبح کائی فاؤنڈیشن کے طلباء کے ساتھ ناشتہ کیا۔ ناشتے پر طلباء مولانا سلمان الحسینی سے علمی سوالات پوچھتے رہے۔ یہ ناشتہ بھی نہایت پر تکلف تھا۔ اس سے اندازہ ہوا کہ شیخ مصطفیٰ الجواد نے جو نقشبندی سلسلے کے جلیل القدر مشائخ میں ہیں۔ عصری علوم کے طلباء کو دین کی طرف مائل کرنے کے لیے نہ صرف فاؤنڈیشن کی رہائش فائیو سٹار ہوٹل جیسی دی بلکہ کھانے پینے اور دیگر لوازمات کا بھی اعلیٰ معیاری انتظام کیا۔ یہ سب صرف اس لیے کہ یہ طبقہ جو کل ملک کی باگ ڈور سنبھالنے اور انتظام پر فائز ہونے والا ہے، وہ اسلام بیزاری کے بجائے دینی ذہن کے ساتھ اپنی منزل پر پہنچے۔ اس میں برصغیر کے اہل علم وفضل کے لیے بڑی عبرت ونصیحت ہے۔ کاش کہ ہم نے پاکستان و بنگلہ دیش میں کالج اور یونیورسٹیوں کے طلبا پر توجہ دی ہوتی۔

دار الحکمت میں ترکی کے اخباری نمائندے اور علماء کے وفد سے گفتگو

کائی فاؤنڈیشن میں ہی ترکی میزبان اسماعیل ندوی اور اُن کے دوست فاتح صاحب لینے آ گئے تھے۔ اُن کے ساتھ روانہ ہو کر دار الحکمت پہنچے۔ مولانا شمس الضحیٰ علمی ودینی کتب کی تلاش میں عمر فاروق صاحب کے ساتھ مختلف کتب خانے دیکھنے چلے گئے۔ بندہ مولانا سلمان الحسینی کے ہمراہ دار الحکمت میں رہا۔ جہاں مختلف علماء اور اخباری نمائندے ملنے آتے رہے۔ انہی میں علامہ شیخ یوسف قرضاوی کی تنظیم اتحاد العلماء العالمی کے منتظم حضرات بھی تھے، جو مولانا سلمان صاحب کے ساتھ تبادلۂ خیالات کرتے رہے۔ اُن کا اصرار تھا کہ تنظیم کا سالانہ اجلاس تین دن بعد استنبول میں ہو رہا ہے۔ آپ حضرات اس کے لیے رک جائیں اور بندہ ترکی روزنامہ ''اِکت (Akit) کے دینی ذوق رکھنے والے نمائندے توزان قسلق (Kaslaq) سے محوِ گفتگو رہا۔ اُن سے ترکی کے سیاسی حالات کے متعلق بیش قیمت سیاسی معلومات حاصل ہوئیں۔ اُن کا اخبار روزانہ تقریباً دو لاکھ تیس ہزار چھپتا ہے۔ جس کا نام Yenesafak (شفق جدید) ترکی وزیر اعظم جناب طیب اردگان کی پارٹی کا روزنامہ ''زمان'' (Zaman) ایک لاکھ دس ہزار اور فضیلت پارٹی کا ''ملی گزٹ'' (Mille Gazatte) تیس ہزار۔ سب سے زیادہ حیرت یہ معلوم کر کے ہوئی کہ نورسی مشائخ کے صوفیا کا (Yen Asia) (نیا ایشیا) چھ لاکھ اور دوسرا اخبار اُن کا تقریباً اڑھائی لاکھ روزانہ چھپتا ہے۔ ان نامساعد حالات میں جہاں اقتدار اعلیٰ مذہب دشمن لوگوں کے پاس ہو۔ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ فوج اور عدلیہ اسرائیلی ہیں۔ وہاں تصوف کے سلسلے کے مشائخ کرام اور علما ومفکرین 'خاموشی وحکمت کے ساتھ عصری تقاضوں کو ملحوظ رکھ کر نئی نسل کے لیے جو کام کر رہے ہیں، وہ ہمارے لیے سبق آموز ہی نہیں' قابل تقلید بھی ہے۔ اسی طرح ترکی کے مرکزی بازار میں جگہ جگہ اخبارات کی دکانوں پر ترکی کے مشائخ تصوف اور علمائے کرام

اور ہمارے شیخ مصطفیٰ الجواد کے آڈیو وڈیو سی ڈیز نظر آئیں۔ جب کہ برصغیر میں ابلاغ کے ان جدید شعبوں میں جن کے ذریعے سے ہر مسلمان بلکہ ہر انسان کے دل ودماغ پر دستک دی جا سکتی ہے اور اسلام کا پیغام پہنچایا جا سکتا ہے۔ ہمارا کام نہ ہونے کے برابر ہے۔ پوری نئی نسل ہمارے ہاتھوں سے نکلی جا رہی ہے۔ جدید ذرائع ابلاغ کے ذریعے اُن کی فکری ونظریاتی غذا کا کوئی انتظام ہم نہیں کر سکے، بلکہ ہم اب تک جدید الیکٹرانک میڈیا کے حلت وحرمت کی بابت کوئی فیصلہ نہیں کر پائے۔ لیکن جو چیز بالاتفاق حلال وطیب ہے یعنی پرنٹ میڈیا اس میں ہماری کیا کارکردگی ہے۔ اللہ ہی ہمیں عقل وہوش نصیب فرمائے۔ آمین۔

مجلس جامع سلیمانیہ اور سلیمان اعظم کے مزار پر

ظہر کی نماز بعد اسماعیل ندوی مولانا سلمان کو لے کر ائر پورٹ روانہ ہو گئے۔ جہاں شام چھے بجے مولانا کی دہلی کے لیے فلائٹ تھی۔ بندہ اور مولانا شمس الضحیٰ صاحب مختصر سا قیلولہ کر کے تاریخی آثار دیکھنے نکل پڑے۔ پہلے چہارشبہ محلے کے مرکزی بازار کے فروٹ اور میوہ جات کے پاس سے ہوتے ہوئے ایک سادہ سے ترکی قہوہ خانے میں ترکی چائے کے ساتھ ترکی کباب کھائے۔ عمر فاروق صاحب نے بتایا کہ ترکی میں ہر نوع کے میوہ جات وفروٹ بکثرت ہوتے ہیں جو نہایت اعلیٰ کوالٹی اور نہایت ارزاں ہیں۔ لندن میں غریب خانے پر بندہ کے ناشتے میں ترکی زیتون وپنیر لازماً ہوتا ہے۔ چند منٹ کے فاصلے پر جامع شہزادہ بشیر کی زیارت کی جو ترکی کی دیگر شاہی مساجد کی طرح نہایت پرشکوہ اور حسین وجمیل تھی پھر چند منٹ چل کر عصر کی نماز جامع سلیمانیہ میں پڑھی۔ جامعہ سلیمانیہ استنبول کی سب سے بڑی اور عالیشان جامع ہے جو سلیمان اعظم نے تعمیر کروائی تھی۔ سلیمان اعظم کے دور میں خلافتِ عثمانیہ اپنی وسعت، قوت اور خوشحالی وترقی کے اوجِ کمال کو پہنچ گئی تھی۔ کہا جاتا ہے کہ اس جامع کی تعمیر میں شرکت کے لیے ایران کے شیعی حکمران شاہ طہماسپ نے بھاری رقم اور قیمتی جواہرات بھیجے تھے۔ سلیمان اعظم نے رقم فقراء میں تقسیم کرا دی اور بیش قیمت جواہرات سنگریزوں کے ساتھ دیواروں میں چنوا دیے کیونکہ سلیمان اعظم کے نزدیک وہ بے نمازی اور فاسق تھا۔ اُس نے اہل سنت پر بے پناہ مظالم کیے اور اُن کی مساجد کو مسمار کیا۔ اس لیے سلیمان اعظم کی حمیت وغیرت نے اُس کی رقم مسجد میں لگانی گوارا نہیں کی۔ ہمارے میزبان عمر فاروق صاحب نے اس خط کا مضمون سنایا جو سلیمان اعظم نے شاہِ ایران کو لکھا تھا جس کا مضمون کچھ اس طرح شروع ہوتا ہے یا شارب اللیل والنہار ویا امام الزیغ والضلال (اے دن رات شراب پینے والے گمراہی وکج روی کے امام) جامع سلیمانیہ کے ساتھ ہی سلیمان اعظم کی قبر پر فاتحہ پڑھی۔ سلیمان اعظم کے مزار کے قریب جامع سلیمانیہ کے معمار ریتان کا مزار ہے جو فن تعمیر کا امام مانا گیا ہے۔ اس کی تعمیر کردہ تین سو ساٹھ یادگاریں اُس کے بعد بھی محفوظ ہیں جس میں جامع سلیمانیہ سب سے بڑا شاہکار ہے۔ تاریخ میں بالاتفاق مورخین اسے دنیا کا سب سے بڑا معمار تسلیم کیا جاتا ہے۔

ترکی کے نورسی ونقشبندی مشائخ تصوف

سلیمان اعظم کی قبر کے ساتھ ہی نورسی اور نقشبندی کے سلسلے کے بہت سے مشائخ مدفون ہیں۔ ترکی اور وسط ایشیاء میں زیادہ تر نقشبندی کے سلسلے کی خالدی کردنی شاخ نے کام کیا جو حضرت مجدد الف ثانیؒ کے سلسلے میں دہلی کے شاہ غلام علی نقشبندیؒ

کے خلیفہ تھے۔ یہیں پر شیخ محمد زاہد کی قبر ہے جن کا چند سال پہلے انتقال ہوا تھا۔ یہ ترکی کے موجودہ وزیر اعظم طیب اردگان اور اُن کے رہبر اور سیاسی رہنما نجم الدین اربکان کے شیخ تھے۔ یہیں عالم اسلام کی بے مثال ہستی شیخ محمد ضیاء الدین غاموش ہناوی کی قبر ہے۔ جو رموز الاحادیث کے مصنف ہیں۔ غرض سلیمانِ اعظم کی قبر کے ساتھ اولیاء کرامت کا عظیم خزانہ مدفون ہے۔ ہم نے ان سب بزرگوں کی قبروں پر فاتحہ پڑھی۔ آج کل تصوف کا انکار و استہزاء ایک فیشن بن گیا ہے۔ مگر ہمیں یہ نہ بھولنا چاہیے کہ وسط ایشیاء میں کمیونزم کی کالی آندھی ہو یا اتاترک کے جبر و استبداد کے طوفان کے سخت حالات میں ان قوموں کو صرف تصوف ہی نے اسلام پر قائم رکھا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اگر یہ تصوف کے سلسلے نہ ہوتے تو اُندلس کی طرح ترکی سے بھی اسلام ختم ہو گیا ہوتا۔ نقشبندی نورسی تیجانی، حلیمیہ وسلیمانیہ سلسلوں کی خانقاہوں نے اتاترک کے استبدادی دور میں بھی زیر زمین دینی واخلاقی رہنمائی جاری رکھی۔ ان سلاسلِ تصوف کے مشائخ نے اخلاقی، سماجی، تعلیمی میدانوں میں رہنمائی کی اور مثالی تعلیمی ادارے اسلامی ہوسٹل، کارخانے نشر واشاعت کے ادارے اور کمپنیاں قائم کیں۔ نقشبندی سلسلے کے رہنما شیخ سعید کُردی، شیخ عاطف اور شیخ اسعد نے قید و بند کی صعوبتوں اور تختہ دار کی پروا نہ کرتے ہوئے دین کا دامن تھامے رکھا۔ شیخ سعید کُردی اور اُن کے دو سو کے قریب مریدین شہادت سے سرفراز ہوئے ہزاروں گھر منہدم کیے گئے۔

آٹھویں دہائی میں جب نجم الدین اربکان نے بیت المقدس کی بازیابی کے لیے ریلی نکالی تو اتاترک کی فوج نے تین ہزار سے زیادہ لوگوں کو تختہ دار پر چڑھا دیا اور بے شمار لوگوں کو جیل میں ٹھونس دیا۔ پھر ۱۹۸۰ء میں ایک لاکھ تیس ہزار لوگوں کو جن میں بہت بڑی تعداد جدید تعلیم یافتہ نوجوانوں کی تھی۔ دینی ذہن رکھنے کے جرم میں گرفتار کیا گیا۔ انہیں ملازمت سے نکال دیا گیا۔ جن میں استنبول وانقرہ یونیورسٹیوں اور دیگر کالجوں کے پروفیسروں کی بڑی تعداد شامل تھی لیکن نورسی نقشبندی سلیمانیہ سلسلے برابر اپنا کام کرتے رہے۔ انہوں نے رفاہی سوسائیٹیاں قائم کیں۔ اسلامی بنیاد پر غیر سودی بینک اور سوسائیٹیاں بنائیں۔ اسلامک مالیاتی بینک، برکہ بینک فیصل فنانس کارپوریشن جیسے غیر سودی بینکوں کی شاخیں پھیلا دیں۔ پورے ترکی میں حفظ قرآن کے مکاتب کا جال پھیلا دیا۔ جامع سلیمانیہ کے ساتھ ہی ترکی کا سب سے بڑا تاریخی کتب خانہ سلیمانیہ ہے جہاں بے شمار نادر مخطوطات محفوظ ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ یہ دنیا میں عربی فارسی مخطوطات کا سب سے بڑا ذخیرہ ہے۔ اسے سرسری طور پر بھی دیکھنے کے لیے بھی کئی ہفتے درکار ہیں۔ حسرت کے ساتھ واپس لوٹے شاید کبھی فرصت میں حاضر ہو سکیں۔ جامع سلیمانیہ سے چند منٹ کے فاصلے پر جامع سلطان بایزید ہے۔ یہ بھی ترکی کی جامع کی طرح نہایت ہی پرشکوہ اور فن تعمیر کا نادر نمونہ ہے۔ جامع بایزید کے سامنے کھلا صحن غیر معمولی طور پر وسیع ہے۔ جس میں بلا مبالغہ لاکھوں آدمی آسکتے ہیں۔ یہاں ہر وقت ایک میلہ سا لگا رہتا ہے۔ اس میدان کے کنارے عثمانی دور کا ایک عظیم الشان گیٹ (دروازہ) ہے جس پر عربی میں لکھی عبارت سے معلوم ہوا کہ یہاں عثمانی دور میں عسکری وفوجی تربیت کا ادارہ تھا۔ اب یہاں استنبول یونیورسٹی ہے اور کسی باحجاب خاتون کو اندر جانے کی اجازت نہیں۔ جامع بایزید کے متصل ہی سلطان محمد فاتح کا تعمیر کردہ مسقّف بازار، گرینڈ مارکیٹ (Grand Market) ہے جو ۱۴۸۱ء کا تعمیر کردہ نہایت خوبصورت اور منقش محرابوں کی شکل میں ہے۔ اس کی چھت نہایت پختہ و منقش ہے۔ یہ ترکی مصنوعات کا اہم مرکز ہے۔ اس میں ۳۲۰ دکانیں، ۶ غسل خانے، ۵ مساجد اور پینسٹھ گلیاں ہیں۔ یہاں ہم نے تقریباً آدھ گھنٹہ گزارا۔ مولانا شمس الضحیٰ صاحب نے ایک ترکی حقہ اور بندہ نے پشمینی چادریں خریدیں۔

ترکی مساجد کی خصوصیات

پوری دنیا میں ترکی کی مساجد سے زیادہ عالیشان، بلند و بالا، پرشکوہ مساجد کسی ملک میں نہیں ہوں گی۔ سول انجینئرنگ کے اس دور میں اس معیار کی تعمیر کے تصور سے بڑے بڑے انجینئروں کو پسینہ آ جائے گا۔ یہ مساجد چار نہایت ضخیم ستونوں پر قائم ہیں۔ اُن کا قطر عموماً تیس سے چالیس فٹ کے قریب ہے۔ اس کے ستونوں کے اوپر نہایت عظیم الشان بلند بڑے گنبد کے ساتھ چھے سے بارہ تک معاون گنبد ہوتے ہیں۔ اس طرح مسجد کی تقریباً پوری چھت گنبدوں پر مشتمل ہوتی ہے اور چھت کی بلندی چھے منزلہ عمارت کے برابر ہوتی ہے۔ اس میں سینکڑوں روشن دان اور کھڑکیاں ہوتی ہیں۔ دن کے وقت پوری مسجد اس طرح روشن رہتی ہیں کہ مزید کسی خارجی روشنی کی احتیاج نہیں رہتی۔ دوسرے ان گنبدوں کی تعمیر میں یہ کمال رکھا گیا ہے کہ وہ قدرتی طور پر آلہ مکبر الصوت (لاؤڈ سپیکر) کا کام دیتی ہے۔ خطیب کی آواز مسجد کے ہر گوشے میں صاف اور واضح سنائی دیتی ہے۔ ان گنبدوں کے اندرونی حصوں میں اسی طرح دیواروں پر اسی طرح حسین ودلکش مینا کاری ہوتی ہے کہ انسان اس کے حسن و جمال میں گم ہو جاتا ہے۔ چاروں ستونوں اور گنبد کے جوڑوں کی جگہ خلفائے راشدین کے اسمائے گرامی واضح خط میں نمایاں لکھے ہوئے ہیں۔ بعض مساجد میں مزید عشرہ مبشرہؓ حضرت فاطمہؓ اور حضرات حسنینؓ کے اسمائے گرامی بھی ہوتے ہیں۔ عثمانی دور کی ہر مسجد کے دالان میں چھوٹے گنبدوں پر مشتمل بے شمار کمرے ہوتے ہیں جو کسی وقت تعلیم وتعلم کی عظیم یونیورسٹیوں اور خانقاہوں کا کام دیتے تھے۔ مگر اب ان کا کوئی تعلیمی یا دینی استعمال نہیں۔ البتہ بعض میں حکومت نے ان میں سرکاری انتظامی شعبے قائم کر رکھے ہیں یا وہ بند پڑے ہیں۔ مساجد کے چاروں طرف سبزہ زار ہوتا ہے جس میں پچاس ہزار سے ایک لاکھ کا اجتماع ہو سکتا ہے۔ ترکی کی ہر مسجد میں فرض نمازوں کے بعد امام نہایت خوش الحانی سے قرآن پاک پڑھتے ہیں اور تقریباً تمام ہی مُصلّی نہایت مؤدب ہو کر سنتے ہیں۔ یہ تلاوت اتاترک کے انقلاب کے بعد سے ترکوں کو اسلام سے وابستہ رکھنے کا ذریعہ رہا ہے۔ ہر مسجد کے ممبر نہایت ہی بلند و بالا تقریباً ایک یا دو منزلہ عمارت کے برابر ہیں۔ جب خطیب کھڑا ہوتا ہے تو عظمت وشوکت اور رعب طاری ہو جاتا ہے اور ہر شخص خطیب کو یکساں دیکھ رہا ہوتا ہے۔ عثمانی سلاطین نے اپنے دفن کے لیے عالیشان تاج محل تعمیر کرنے کے بجائے وہ ان ہی عظیم الشان مساجد کے زیر سایہ چھوٹے چھوٹے اور معمولی حجروں میں آرام فرما ہیں۔

قلعۂ رومیل حصار

استنبول میں کئی بار بحیرۂ فاسفورس پر بنائے گئے عظیم الشان پل سے گزرنا ہوا جو یورپ کو ایشیاء سے بذریعہ روڈ ملاتا ہے۔ یہ ایک معلق پل ہے جس کے دونوں کناروں پر دو دو آہنی ستون ہیں۔ دو ستون ایشیاء میں دو یورپ ہیں۔ اس کو ہلالی شکل میں نکلے ہوئے دو لو ہے کے مضبوط ستونوں نے سنبھالا ہوا ہے۔ اس پل کی لمبائی ایک ہزار چوہتر (۱۰۷۴) اور چوڑائی ۴۰ء ۳۳ میٹر اور یہ پل سمندر سے ۶۴ میٹر بلند ہے۔ اس برج پر سے گزرتے ہوئے عمر فاروق صاحب نے سلطان محمد فاتح کا تعمیر کردہ عظیم الشان قلعہ رومیل حصار بتایا جو سلطان بایزید یلدرم کے تعمیر کردہ قلعہ حصار کے بالکل سامنے یورپ کے ساحل پر واقع ہے۔ قلعہ اس طرح تعمیر کیا گیا ہے کہ فضا سے محمد (ﷺ) لکھا ہوا محسوس ہوتا ہے۔ خواہش کے باوجود وقت کی کمی کے

باعث اندر جا کر نہیں دیکھ سکے۔

ترکی قوم پر تصوف کے اثرات

رات کا کھانا ایک کُردی ریسٹورنٹ میں کھایا۔ کُردی کھانوں کا یہ ریسٹورنٹ ایک کُردی گاؤں کا نظارہ پیش کر رہا تھا۔ دنیا میں کھانے اپنی لذت اور اقسام کے تنوع کے لحاظ سے فائق ان ہی ملکوں کے ہیں جو صدیوں تک عالمی امپائر رہے ہیں۔ جیسا کہ مغربی دنیا میں اٹلی کے کھانے اور ایشیاء مشرق میں ترکی کھانے' کھانے کے بعد نمازِ عشاء چہارشنبہ کی جامع میں پڑھی۔ یہ محلّہ قدیم زمانے سے نقشبندی ونورسی سلاسل تصوف کا مسکن رہا ہے۔ موجودہ سب سے بڑے شیخ محمود آفندی بستر علالت پر زندگی کے آخری لمحات میں بتائے جاتے ہیں۔ اُن سے ملاقاتیں بند تھیں۔ اس محلے میں داخل ہوتے ہی محسوس ہوا کہ گویا صدیوں پرانے کی خالص خانقاہی ماحول میں آ گئے ہوں۔ لوگوں کا لباس حلیہ سب ہی متشرع خواتین بلکہ بچیاں تک پورے حجاب میں ہمیں استنبول میں یہ واحد مسجد ملی جو اوپر نیچے تک پوری طرح بھری ہوئی تھی۔ اور تمام مُصلّی پوری داڑھی میں اور شرعی لباس میں تھے۔ بندہ چشم تصور میں صدیوں پرانے دور میں پہنچ گیا۔ جب ترکی میں اسلام کا غلبہ تھا اور ترکوں نے اسلام کا پرچم اٹھایا ہوا تھا۔

مفکرِ اسلام مولانا ندویؒ اور مولانا سلمان الحسینی کی مقبولیت

ترکی میں عصر حاضر کے مفکرین میں سے زیادہ مقبولیت، محبوبیت اور رسوخ مفکرِ اسلام حضرت مولانا ابوالحسن علی ندویؒ کا نظر آیا کیوں کہ حنفیت اور تصوف ترکوں کے رگ وپے میں پیوست ہے۔ کسی غیر حنفی یا سلفی مفکر کا وہاں جگہ بنا پانا دشوار ہے۔ موجودہ حکومت کے بڑے بڑے عہدیدار اپنی ابتدائی تعلیم میں حضرت مولانا کی کتابیں قصص النبیین منشورات ومختارات پڑھے ہوئے ہیں۔ ایک ترکی فاضل صالح قراجہ نے جوندوہ میں بھی پڑھ چکے ہیں۔ حضرت مولانا کی تقریباً تمام ہی کتب کا ترکی زبان میں ترجمہ کر دیا ہے۔ حضرت مولانا کی کتابوں کے ترکی ایڈیشن اردو سے بھی کہیں زیادہ طبع ہوئے ہیں۔ افسوس کہ ہماری یوسف صالح قراجہ سے ملاقات نہ ہو سکی۔ وہ سفر میں تھے۔ مولانا سلمان صاحب سے انہوں نے فون پر گفتگو کی اور اپنے حاضر نہ ہو سکنے پر افسوس کا اظہار فرمایا۔ ہمارے مکرم مولانا سلمان الحسینی کی ترکی علمی وفکری حلقے میں بے پناہ محبوبیت ومقبولیت دیکھی۔ بڑے بڑے سکالر ومفکرین اور علمی اداروں کے ذمہ داران ملنے آتے رہے۔ ایک ترکی عالم نے کہا: مولانا سلمان صاحب کا عربی تقریر کا لہجہ خالص عربی ہے۔ کوئی عجمی اس لہجے میں تقریر کر ہی نہیں سکتا۔ یقیناً مولانا کی رگوں میں عربی خون ہے۔ کیوں نہ ہو۔ آپ کی شخصیت میں سادات حسنی وحسینی کا مبارک امتزاج ہے۔ بندہ نے مولانا سلمان صاحب سے کہا: آپ نے مردہ لوگوں میں بہت وقت گزار لیا۔ اب باقی زندگی میں زیادہ توجہ زندہ اقوام ترک عرب وسط ایشیاء پر دیجیے۔ ترکی کے تمام طبقات بڑے بڑے علماء اور نوجوانوں میں مولانا سے جو والہانہ محبت وتعلق اور قدر ومنزلت دیکھی۔ انگلینڈ وامریکہ کے برصغیر (گجرات) لوگوں میں اس کا عشرِ عشیر بھی نظر نہیں آیا۔ شاید اس کی وجہ یہ ہو کہ برصغیر کی مٹی کی خاصیت ہے کہ جتنے کنکر اُتنے شنکر۔ گویا شخصیت یا پیر پرستی رگوں میں پیوست ہے اور مولانا کا طرز زندگی پیر کے بجائے ایک عالم ربانی کا ہے۔

بہ صد حسرت لندن واپسی

ہم لوگوں نے آخری رات عمر فاروق صاحب ڈائریکٹر دارالحکمت کے گھر آرام کیا۔ صبح ساڑھے چار بجے نماز فجر پڑھ کر ائرپورٹ کے لیے روانہ ہوئے۔ ائرپورٹ پر کرغزستان کے ایک صاحب سے ملاقات ہوئی جو تبلیغی جماعت میں پاکستان جاتے رہتے ہیں۔ کچھ اردو بھی بول لیتے ہیں۔ گھنٹہ بھر ائرپورٹ کے ریسٹورنٹ میں ناشتے کے دوران کرغزستان کے مسلمانوں کے احوال پر گفتگو رہی۔ معلوم ہوا کہ وسط ایشیا کے ملکوں میں کمیونزم سے آزادی کے بعد عام لوگوں اور نئی نسل میں اسلام کی طرف کثرت سے رجوع ہے مگر ان کو دین سکھانے اور تعلیم دینے والوں کی اشد کمی ہے۔ صبح ساڑھے آٹھ بجے ترکش ائرپورٹ سے روانہ ہو کر لندن کے وقت کے مطابق ساڑھے دس بجے ہیتھرو پورٹ پر اترے۔

ترکوں کے مستقبل پر امید و بیم کے سائے

ترکی میں گزرے تین دن بندہ کی زندگی کا اہم ترین موڑ ہے۔ شدت سے احساس ہو رہا ہے کہ ترکی کا سفر بہت پہلے ہونا چاہیے تھا۔ یہاں ملی و دینی کام کرنے والوں کے لیے عملی نمونے اور مثالیں ہیں۔ ترکی دوبارہ انگڑائی لے کر اٹھ رہا ہے۔ ہم نے ترکی کو امید و بیم کے درمیان چھوڑا۔ اتاترک کے جس ملک میں عربی میں اذان دینا جرم تھا، آج وہاں دو ملین سے زیادہ حفاظ قرآن ہیں اور نئی نسل اسلام کے متعلق پرعزم ایمان و ایقان کی دولت سے مالا مال ہے۔ کبھی اندیشہ سر اٹھاتا ہے کہ فوج اور عدلیہ پوری طرح دونمہ یا اسرائیلی ہے۔ آنِ واحد میں سب کو کچل کر کسی نئے اتاترک کو لے آئے گی۔ ہم نے بہت سے ترک نوجوانوں سے پوچھا: اس فوج سے نجات کی کوئی صورت ہے؟ ان کا جواب خاموشی تھا، لیکن چہروں پر کرب والم صاف جھلکتا تھا۔ صحیح احادیث میں قیامت کی علامتوں میں سے ہے کہ حضرت مہدی علیہ السلام ظہور کے بعد سب سے پہلے قسطنطنیہ (ترکی) فتح کریں گے۔ شاید ہماری قسمت میں ابھی مزید انقلابِ گردشِ دوراں باقی ہے۔ مگر ایمان وہ طاقت ہے جو ہر حال میں امید کی جوت جلائے رکھتی ہے۔

عجب کیا ہے کہ یہ بیڑہ غرق ہو کر پھر اچھل جائے
کہ ہم نے انقلاب چرخِ گرداں یوں بھی دیکھے ہیں

عالمی حالات پر نظر رکھنے والے صاف محسوس کر رہے ہیں کہ دنیائے کفر خاص طور پر صیہونی، صلیبی گٹھ جوڑ سے اسلام کی جنگ اپنے آخری راؤنڈ میں ہے۔ مغرب فلسفہ و فکر کے میدان میں شکست کھا چکا ہے۔ اس کی قابل فخر چیزیں فرد کی آزادی، انسانی حقوق، سماجی انصاف اور معاشرہ کی حریت کا ملمع نائن الیون نے اتار دیا ہے۔ اب اس کے پاس صرف ظلم و جارحیت کا سہارا رہ گیا ہے۔ جوان شاءاللہ چند سالوں میں افغانستان کے پہاڑوں اور عراق کے ریگزاروں میں دفن ہو جائے گا اور دنیا پر اسلام کے امن و سلامتی، انسانیت کے احترام اور فلاح و بہبودی کا سورج طلوع ہو کر رہے گا۔ ان شاءاللہ تعالیٰ۔